© rasailojaraid.com

اُمت کا عروج و زوال

البقرہ کی روشنی میں

(آخری قسط)

خرم مرادؒ / ترجمہ: مسلم سجاد

غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ البقرہ کو کچھ متعین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے جن کے اپنے موضوع ہیں لیکن ایک دوسرے سے متعلق ہیں۔ ان حصوں کو مزید ذیلی حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ یہ تقسیم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں بتائی گئی ہے، لیکن غور و فکر اور تفہیم کو بہت آسان کر دیتی ہے۔ میری فہم کے مطابق سورت کے ایسے سات حصے ہیں:

حصہ اوّل: آیات ۱ تا ۳۹ (۳۹ آیات)۔ ہدایت کی بنیادیں۔

حصہ دوم: آیات ۴۰ تا ۱۲۳ (۸۴ آیات)۔ بنی اسرائیل، ایک مسلم اُمت زوال کی کیفیت میں، عہد شکنی اور قلب و عمل کے امراض۔

حصہ سوم: آیات ۱۲۴ تا ۱۵۲ (۲۹ آیات)۔ پیغمبرانہ مشن اُمت مُسلمہ کے سپرد کرنا۔

حصہ چہارم: آیات ۱۵۳ تا ۱۷۷ (۲۵ آیات)۔ کلیدی انفرادی خصائص، دین اور شریعت کے بنیادی اصول۔

حصہ پنجم: آیات ۱۷۸ تا ۲۴۲ (۶۵ آیات)۔ اجتماعی زندگی کے اصول، قوانین اور ادارے (عبادت، جان و مال اور خاندان کا تقدس)۔

حصہ ششم: آیات ۲۴۳ تا ۲۸۳ (۴۱ آیات)۔ مشن کی تکمیل کی کلید: جہاد اور انفاق۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حصۂ ہفتم: آیات ۲۸۴ تا ۲۸۶ (۳ آیات)۔ اخلاقی اور روحانی ذرائع۔

ہدایت کی بنیادیں (آیات: ۱-۳۹)

ان آیات میں ان لوگوں کی صفات بیان کی گئی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اور ان کی بھی جو یہ فائدہ نہیں اٹھاتے۔

یہ بڑی اہم بات ہے کہ سورت کا آغاز اس اعلان سے ہوتا ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اس کی سند کے ساتھ ہے۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ ، یہ اللہ کی کتاب ہے اس میں کوئی شبہ نہیں (آیت: ۱)۔ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ اعلان پورے قرآن میں بہت سی سورتوں کے آغاز اور درمیان میں اکثر دہرایا گیا ہے۔ اس طرح قاری کامل احترام، ذوق طلب اور سمجھنے اور سرِ تسلیم خم کرنے کے جذبے کے ساتھ آگے بڑھتا ہے۔ کتاب کس مقصد سے نازل کی گئی ہے؟ ہدایت دینے کے لیے۔ کس کو ہدایت دینی ہے اور کس بات کی ہدایت دینی ہے؟ ہدایت ان کے لیے جو مُتّقین ہیں، جن میں نیکی، خدا کا شعور، یعنی تقویٰ کی صفت پائی جاتی ہے، یا ان کے لیے ہدایت جو مُتّقین بننا چاہتے ہیں۔

مُتّقین کی صفات کچھ تفصیل سے بیان کی گئی ہیں (آیت ۲ تا ۵)۔ یہ ہم کو یہاں روک نہ لیں، ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ یہ وہ بنیادیں ہیں جن پر آگے قرآن مُتّقین کا تفصیلی بیان تعمیر کرتا ہے۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْن کا مطلب عام طور یہ سمجھا جاتا ہے کہ صرف وہی لوگ جو تقویٰ اور اس سے پیدا ہونے والی صفات رکھتے ہیں قرآنی ہدایت سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اگر اسے ایک لازمی پیشگی شرط سمجھا جائے تو ان صفات کو ان کے اصل لغوی مفہوم میں سمجھنا چاہیے نہ کہ مکمل قرآنی مفہوم میں۔ ورنہ تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہدایت پانے کے لیے آدمی کو پہلے ہی ہدایت یافتہ ہونا چاہیے۔ ایک مفہوم میں یہ معانی بھی درست ہیں۔ اس لیے کہ تقویٰ اختیار کرنے کے امکانات لامحدود ہیں۔ ابتدا سے ترقی یافتہ اور اعلیٰ مراحل تک جانے کے لیے کسی نہ کسی درجے میں تقویٰ موجود ہونا چاہیے۔

وہ لوگ جنھوں نے ہدایت پائی ہے، اللہ ان کو اور زیادہ ہدایت دیتا ہے، اور انھیں ان کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حصّے کا تقویٰ عنایت کرتا ہے۔ (محمد ۴۷:۱۷)

مگر ایک بامعنی اور بہتر مفہوم یہ ہے کہ قرآن کی ہدایت افراد اور افراد کے گروہوں یا قوموں کو مُتّقین بننے کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اسی طرح جیسے کہ ہم کہتے ہیں یہ ایم اے کا کورس ہے تو ہمارا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اس کورس سے فائدہ اٹھانے کے لیے ایم اے ہونا پیشگی شرط ہے۔ ہمارا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ کورس ایک آدمی کو ایم اے تک پہنچا دے گا۔ پس ابتدائی آیات (۱-۵) بیان کرتی ہیں کہ قرآن کس طرح افراد اور قوموں کو مُتّقین بنانے کے لیے آیا ہے۔ صراطِ مستقیم بھی تقویٰ کی زندگی ہے۔ آگے ہم دیکھیں گے کہ تقویٰ کی زندگی اور اس دنیا میں اور آخرت میں اس کے خوش گوار نتائج قرآن کا مستقل موضوع ہیں۔

اصل لغوی مفہوم میں پیشگی شرط کے طور پر تقویٰ سے مراد صحیح اور غلط کے درمیان تمیز کرنے کی صلاحیت، اور وہ باطنی طاقت ہے جس سے آدمی صحیح کو صحیح اور غلط کو غلط تسلیم کرے اور جس بات کو غلط تسلیم کرے اس سے اپنے آپ کو بچانے پر قادر ہو۔

پھر ان لوگوں کا بیان ہے جو اللہ کی ہدایت سے ہرگز فیض یاب نہ ہوں گے۔

اس میں سب سے پہلے وہ لوگ ہیں جو اپنی مرضی سے قرآن کو اللہ کا کلام ماننے سے انکار کرنے پر مُصر ہیں۔ نتیجتاً ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے (آیات: ۶-۷)۔ پھر وہ لوگ ہیں جو بظاہر ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں مگر درحقیقت ایمان نہیں رکھتے (آیات: ۸-۲۰)۔ ان کی کئی قسمیں ہیں۔ ایک سرے پر وہ لوگ ہیں جو دشمن ہیں اور مذاق اڑاتے ہیں، فساد پھیلاتے ہیں اور انھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی کا سودا کرلیا ہے (آیت: ۱۶)۔ یہ اپنی مرضی سے منافق ہیں: اندھے بہرے اور گونگے، یہ لوٹنے والے نہیں ہیں (آیت: ۱۸)۔ دوسرے سرے پر وہ لوگ ہیں جو ایمان تو رکھتے ہیں لیکن ایمان جب آزمایش اور قربانیوں کا مطالبہ کرتا ہے تو ثابت قدم نہیں رہتے۔ یہ ایمان اور ارادے کے ضعف کی وجہ سے منافق ہیں: جب روشنی ہوتی ہے تو چلتے ہیں اور جب ان کے گرد تاریکی چھا جاتی ہے تو وہ ٹھیر جاتے ہیں۔ (آیت: ۲۰)

اس کے بعد یہ سورت ساری انسانیت کو قرآن کے مرکزی پیغام کی طرف بلاتی ہے: صرف اللہ کی عبادت کرو، کسی کو اس کے برابر یا شریک نہ بناؤ (آیات: ۲۱-۲۲)۔ اس پیغام کو مستند بنانے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لیے یہ قرآن کے من جانب اللہ ہونے کو اور اس طرح رسولؐ کی حقانیت کو ثابت کرتی ہے (آیات ۲۳-۲۵)۔ ان دونوں کا رشتہ زندگی کے مقصد اور معانی کے ساتھ جوڑنے کے لیے یہ زندگی بعد موت کی حقیقت کو واضح کرتی ہے (آیات: ۲۸-۲۹)۔ درمیان میں ان لوگوں کی فکر اور اخلاق کے امراض بیان کیے جاتے ہیں جو قرآن سننے کے باوجود گم کردہ راہ ہیں۔ وہ قرآن خصوصاً اس کی مثالوں پر سوال اٹھاتے ہیں' شبہ ظاہر کرتے ہیں اور جھگڑتے ہیں: وہ عہد کو مضبوط باندھ لینے کے بعد توڑتے ہیں' اللہ نے جسے جوڑنے کا حکم دیا ہے' اسے کاٹتے ہیں' اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں۔ (آیت: ۲۷)

اس طرح ہم ان آیات (۲۱ تا ۲۹) میں قرآن کے مکمل پیغام کا رواں خلاصہ پاتے ہیں۔

آیات ۳۰ تا ۳۹ میں تخلیق انسانی کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ اس سے قرآن کا تصورِ جہاں' عالمی نظریہ (world view) اور فطرتِ انسانی کا اس کا تصور واضح ہوتا ہے۔ انسان کو علم اور ارادے کی آزادی دی گئی ہے۔ وہ زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے۔ اس لیے اس کو اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حدود اور ہدایات کے اندر زندگی گزارنا چاہیے۔ ایسا کرنے کے لیے اسے خیر اور شر کے درمیان انتخاب کرنے کی مسلسل کش مکش کا سامنا ہے۔ وہ اخلاقی طور پر ذمہ دار اور ایک آزاد ہستی ہے' اس لیے اس سے اس کش مکش میں گناہ کرنے کا امکان ہے۔ خیر و شر کی اس کش مکش کا مقابلہ کرنے کے لیے اور اپنے گناہوں پر قابو پانے کے لیے اس کو اللہ کی طرف سے دو نعمتیں دی گئی ہیں۔ اوّل: توبہ قبول کرنے کا وعدہ' یعنی جب بھی گناہ کرنے والا اس کی طرف پلٹ کر آئے اسے معاف کرنے کا وعدہ' جیسے اس نے حضرت آدمؑ کو معاف کیا (آیت: ۳۷)۔ دوم: اللہ کی طرف سے ہدایت بھیجنے کا وعدہ' جیسا کہ اس نے حضرت آدمؑ کو بتایا تھا۔ (آیت: ۳۸)

ایک مسلم اُمّت کے زوال کی کیفیت (آیات: ۴۰-۱۲۳)

ان لوگوں کے بیان کے فوراً بعد جو قرآن کی ہدایت سے فائدہ اٹھائیں یا نہ اٹھائیں' پوری انسانیت کو خالق و مالک' یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دے کر اور پھر تخلیق انسانی کے واقعے کو بیان کر کے قرآنی تصورِ جہاں' انسانی نفسیات اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور معافی پر انسان کے مکمل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انحصار (آیات: ۳۰-۳۹) کا ذکر کرتے ہوئے البقرہ کا رخ ۸۴ طویل آیات میں' جو ایک تہائی سورت کے برابر ہیں' اپنے وقت کی یہودی قوم' بنی اسرائیل کی طرف مڑ جاتا ہے۔ وہ اُنھیں اللہ تعالیٰ کے بے پایاں انعامات کی یاد دلاتا ہے اور ان کی ناشکری' احکامات سے اُن کی سرتابی اور' ان کے قلب اور ایمان وعمل کے بڑے بڑے امراض کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ مختصراً' یہ اللہ تعالیٰ سے عہد شکنی کی ایک طویل داستان ہے۔ قرآن ایسا کیوں کرتا ہے؟ وہ بالکل آغاز ہی میں اتنے اہم موقع پر کیوں بنی اسرائیل سے اتنی تفصیل سے بحث کرتا ہے؟ سب سے پہلے ہم اس اہم سوال پر غور کرتے ہیں۔

کیا یہ مدینے میں یہودیوں کی موجودگی کی وجہ سے ہے؟ یقیناً مدینے میں یہودی موجود تھے۔ انھیں اسلام کی طرف دعوت دی جانی تھی اور قرآن کو ان کی جہالت سے' اور رسولؐ اللہ اور ان کے پیغام کے ساتھ ان کا جو رویہ تھا' اس سے بحث کرنا تھی۔ اس لیے یقیناً یہ ان آیات کی ایک وجہ یا شانِ نزول تھی۔ لیکن یہ اس حصے کے طول' اس کے موضوعات اور اُس کے سیاق کی توجیہہ کرنے کے لیے کافی نہیں ہے۔

کیا یہ جیسا کہ بہت سے مستشرقین کا خیال ہے' رسولؐ اللہ کو تسلیم کرنے سے یہودیوں کے شدید انکار اور شدید مخالفت پر مایوسی اور غصّے کی وجہ سے ہے؟ اس مؤقف کی تائید میں کوئی تاریخی گواہی یا روایت نہیں ملتی۔ قرآن اس طرح کا کلام نہیں ہے جس کا مقصد اپنے دشمنوں کے خلاف غصہ نکالنا ہو اور پھر اس کو بالکل آغاز ہی میں رکھ دے' تاکہ آنے والے سب زمانوں میں اس کے تمام قارئین اس کا مشاہدہ کریں۔ یہاں اس طرح کا غصہ اور مذمت نہیں ہے جس طرح کا ہم بائبل میں پاتے ہیں۔ رسولؐ اللہ یہودیوں سے معاملہ کرنے میں بہت آگے تک گئے' اور پوری تاریخ میں مسلمانوں نے ان سے ہمیشہ بہت اچھا سلوک کیا۔

اس کا اصل مقصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے یہودیوں کی مذمت کرنا معلوم نہیں ہوتا' بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ دراصل تمام زمانوں کے مسلمانوں کے لیے آئینہ فراہم کیا گیا ہے' تاکہ وہ اسے اپنے سامنے رکھ کر اپنے حالات اور تقدیر کا صحیح عکس دیکھ سکیں۔ قرآن کا بیان بنی اسرائیل کی اپنے مشن کو پورا کرنے میں ناکامی کے بارے میں فیصلہ بھی صادر کرتا ہے اور اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طرح اللہ کے مشن کو جاری رکھنے کے لیے محمد رسولؐ اللہ کی قیادت میں ایک نئی مسلم اُمّت کو ان کی جگہ دینے کے لیے بنیاد فراہم کرتا ہے۔

قرآن میں تاریخ کا بیان تاریخ کی خاطر نہیں ہے۔ مخصوص اقوام کے نام دیے گئے ہیں لیکن یہ نام محض عنوانات ہیں۔ ان کے حالات کا تذکرہ دراصل یہ بتانے کے لیے ہے کہ ان اقوام کے ساتھ کیا گزری اور کیوں گزری۔ ان سے دوسرے لوگوں کو سبق سیکھنا چاہیے۔

مسلمان ایک نئی ظہور پذیر اُمّت تھے جو اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے امین اور انبیاے کرام' خصوصاً آخری نبیؐ کے مشن کے علم بردار کی حیثیت سے مقرر کیے گئے تھے جیسا کہ اِس سے پہلے بنی اسرائیل تھے۔ ان کی تاریخ کو ابھی ظاہر ہونا تھا اور مستقبل کی تاریخ کے بارے میں کوئی پیش گوئی' مثال' سبق یا تنبیہ نہیں ہو سکتی تھی۔ عاد و ثمود کے لوگ مسلمان نہیں تھے لیکن بنی اسرائیل نے تو مسلمانوں کی طرح توحید کا پیغام قبول کیا تھا۔ وہ مسلمانوں کی طرح اس پیغام کی گواہی کے مشن پر سرفراز کیے گئے تھے۔ درحقیقت وہ اپنے وقت کی مسلم اُمّت تھے لیکن زوال کی حالت میں۔ اس لیے ان کی تاریخ اور رویّے مطالعے کے لیے بہترین موضوع تھے جو مسلمانوں کے سامنے شروع ہی میں رکھے جاتے۔ وہ اس آئینے میں وہ سب کچھ دیکھ سکتے تھے جو ان کے ساتھ پیش آ سکتا تھا۔ مقصد یہودیوں کو موردالزام ٹھیرانا نہیں' بلکہ مسلمانوں کو تنبیہ کرنا ہے کہ ان کے نقشِ قدم پر نہ چلیں۔ یہ آئینہ مسلمانوں کو دکھاتا ہے کہ کیا' کہاں اور کیوں غلطی ہو سکتی ہے اور اس کے نتائج کیا ہوتے ہیں۔ جیسا کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا: تم بنی اسرائیل کے راستوں پر چلو گے' قدم بہ قدم۔ (مسلم)

اس لیے اگرچہ خطاب بنی اسرائیل سے ہے' اصل مخاطب مسلمان ہیں جو حامل قرآن اور اس کے امین ہیں۔ اس روشنی میں پڑھیے' کُل کی کُل ۸۴ آیات زندہ ہو کر سامنے آ جاتی ہیں۔ وہ ابھی اور اسی وقت ہم مسلمانوں کے لیے پُرمعانی ہو جاتی ہیں۔ ہمیں نظر آتا ہے کہ اسرائیلی تاریخ کے مخصوص واقعات' مثلاً سنہرا بچھڑا ہمارے ماضی اور حال کے واقعات ہیں۔

اگر ہم اس حصے کا زیادہ غور سے مطالعہ کریں تو اسے باہم مربوط تین ذیلی حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ اس طرح تو ہم اسے بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں۔

پہلا ذیلی حصہ (آیات ۴۰-۴۶) بنی اسرائیل سے ایک عام دعوتی خطاب ہے۔ یہ حصہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس بارے میں نہایت قیمتی ہدایت فراہم کرتا ہے کہ ایک زوال پذیر مسلم اُمت کے سامنے دعوت کس طرح پیش کی جائے۔ یہ بتاتا ہے کہ موضوعات کیا ہوں' انداز کیا ہو' ترجیحات کیا ہوں' اور کن امور پر زور دیا جائے۔ یہ ایسی اُمت کے احیا کے طریقے اور پروگرام کے لیے نشاناتِ راہ بھی فراہم کرتا ہے۔ یہ کھول کھول کر بتاتا ہے کہ دعوت و اصلاح کے کام میں کس حکمت کو اختیار کیا جائے۔ دیکھیے کہ بنی اسرائیل پر کسی بڑے حملے کے بغیر' ان کی بڑی بڑی کمزوریاں واضح ہو جاتی ہیں۔

قرآن سب سے پہلے اس نعمت کو یاد دلاتا ہے جو اللہ نے ہدایت کی صورت میں انھیں عطا کی اور انھیں اُبھارتا ہے کہ وہ اس کے لیے اللہ کے شکرگزار ہوں۔ پھر وہ انھیں پُرزور طریقے پر دعوت دیتا ہے کہ اس ہدایت کے حوالے سے اللہ سے اپنے عہد کو پورا کریں۔ ہماری اُمت کے احیا کے لیے بھی اگر کوئی تحریک ہو تو یہ یاددہانی اور دعوت اس کا آغاز اور حقیقی بنیادی پتھر ہونا چاہیے۔ پھر وہ ان کو دعوت دیتا ہے کہ اپنے مسلمان ہونے کے دعوے کی بنا پر' انھیں ایمان کا راستہ اختیار کرنے والوں کا ہراول دستہ ہونا چاہیے۔ یہ ایمان' آخری رسولؐ اور جو کتاب انھیں دی گئی ہے اسے قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے پر مرکوز ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ ایمان کے مطابق زندگی گزارنے کے لیے نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو' نفاق کو بھی جڑ سے اُکھاڑ پھینکو' اس لیے کہ نفاق ایمان کے لیے سرطان کی طرح ہے۔ لیکن دیکھیے کہ منافقوں سے الزامی انداز: تم منافق ہو' کے بجاے کیا تم ......؟ کا استفہامی انداز اختیار کیا گیا ہے۔ آخر میں' عہد پورا کرنے کے عظیم کام کو انجام دینے کے لیے جس استقامت کی ضرورت ہے' اس کے راز کی طرف اشارہ کیا گیا ہے' یعنی صبر اور صلوٰۃ۔ دونوں صرف اس صورت میں حاصل کیے جاسکتے ہیں کہ اللہ سے روزِ قیامت ملاقات کو ہمیشہ یاد رکھا جائے۔

زیادہ گہرا غوروفکر کیا جائے تو اس خطاب کی' اُس خطاب سے جو پوری سورۃ البقرہ میں مسلم اُمہ سے کیا گیا ہے' غیرمعمولی مماثلت نظر آئے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ ان سات آیات میں بعد کے تفصیلی بیان کا خلاصہ آگیا ہے۔

دوسرا ذیلی حصہ' جو ۴۷ تا ۷۴ آیات پر مشتمل ہے' بنی اسرائیل کو ان کی تاریخ کے اہم نشاناتِ منزل اور ان ہوا قع پر ان کے رویوں کو یاد دلاتا ہے۔ ہر واقعہ محض ایک واقعہ نہیں ہے بلکہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک اہم سبق ہے جو ان کی زندگی کے کسی اہم پہلو سے بحث کرتا ہے۔ غور و فکر کیا جائے تو ہر واقعہ اپنے سبق، اپنے قیمتی معانی، فکروعمل کے کسی اہم مرض یا کسی انحراف پر روشنی ڈالتا ہے جس کی وہ علامت ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ ان واقعات کو منتشر طور پر بیان نہیں کیا گیا ہے، بلکہ مربوط کر کے بامعنی ترتیب سے بیان کیا گیا ہے۔

مثال کے طور پر سنہرے بچھڑے کا واقعہ اس دنیا کی اشیا سے محبت کو پرستش کے لائق قرار دینے کی علامت ہے (آیت:۵۱)۔ یہ واقعہ فرعون سے بنی اسرائیل کے نجات پانے کی بہت بڑی نعمت کے معا بعد پیش آیا۔ کتاب کا ملنا اور عہد و پیمان ابھی نہیں ہوئے تھے۔ یہ محبت جب اللہ سے محبت کے مقابلے پر آئے اور اس پر غالب ہو جائے تو زوال کی بنیادی وجہ ہوتی ہے۔ من و سلویٰ کا انکار، اللہ سے اپنے عہد کو پورا کرنے کے لیے جہاد کی زندگی سے انکار کی علامت تھا جس میں پُرآسایش، آرام دہ اور جمی جمائی زندگی کے بجائے سختیاں اور قربانیاں ہوتیں۔

ترکِ جہاد سے بالآخر ذلّت و مسکنت مسلّط ہو جاتی ہے (آیت: ۶۱)۔ اسی طرح اصحاب سبت نے اللہ کے ساتھ جو چالیں چلیں (آیت:۶۵)، اور گائے کی قربانی کے معاملے میں جس طرح بال کی کھال نکالنے کا اور حجت بازی کا مظاہرہ کیا، اس کو کھول کر بیان کیا گیا ہے۔ یہ شریعت اور اطاعت کو ترک کرنے کے مترادف ہے۔ جب شریعت ایک بے وقعت چیز ہو جائے، جس کی پیروی کرنے کے بجائے اس سے کسی طرح بچنے کی فکر کی جائے، تو انسان کے اندر کا متحرک وجود جمود کا شکار ہوتا ہے اور دل پتھر سے زیادہ سخت ہو جاتے ہیں۔ (آیت:۷۴)

یہ دیکھنا بالکل مشکل نہ ہونا چاہیے کہ ہماری اُمت کے شریعت اور جہاد کو اسی طرح ترک کرنے سے غیر ملکی اقوام (خواہ وہ منگول ہوں یا مغرب) کی غلامی اور دلوں کے پتھر ہو جانے کی کیفیت سامنے آتی ہے۔

تیسرا ذیلی حصہ جو ۷۵ تا ۱۲۳ آیات پر مشتمل ہے، بنی اسرائیل کی تاریخ سے آگے بڑھ کر ان کے قلب و ذہن، ایمان و عمل اور طریقوں اور رویوں کی موجودہ کیفیت کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ خاص طور پر جو بات بیان کی گئی ہے وہ ان کا اللہ کے آخری رسول کا انکار اور مخالفت ہے۔ مگر بتایا گیا ہے یہ کوئی نئی بات نہیں ہے اسی طرح کے رویوں کا طویل تاریخ کا تسلسل ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اب آپ ہر الزام کو' چارج شیٹ کے ہر نکتے کو' الگ الگ لیں اور ان پر غور کریں۔ آپ اُمت مُسلمہ کے زوال واحیا میں نہ صرف ان کا کلیدی کردار پائیں گے' بلکہ گذشتہ زمانوں میں مسلم اُمت کی جو حالتیں رہی ہیں ان سے بہت زیادہ مشابہت بھی پائیں گے۔ بنی اسرائیل نے حق کو جاننے اور قبول کرنے سے جان بوجھ کر انکار کیا۔ اسی طرح مسلمانوں نے بھی کیا۔ یہود' خدا کی کتاب کے معانی اور پیغام سے مکمل طور پر انجان بن گئے اور اس کے بجاے خیالی دنیا میں رہنے لگے (آیت: ۷۸)۔ یہی حال مسلمانوں کا ہوا۔ ان کے فاضل علما نے مقدس کتاب کے متن کو اس طرح توڑا مروڑا کہ مفیدِ مطلب معانی نکلیں اور انھیں اس دنیا کے انعام ملیں۔ مسلمان بھی ایسا ہی کرتے ہیں (آیت: ۷۹)۔ ان کے اندر فرقہ پرستی خوب پھولی پھلی۔ ایمان اور عمل صالح کے بجاے انھوں نے مذہبی لیبلوں کو اہمیت دی۔ وہ کتاب کے بعض حصوں پر ایمان لاتے تھے اور جو اُن کے مفیدِ مطلب نہ ہوا سے ایک طرف رکھ دیتے تھے۔ مسلمان بھی اس سے مختلف نہیں۔ ہم جتنا بھی آگے بڑھیں اور دیکھیں' ہر پہلو سے اسی طرح کی مشابہت دیکھیں گے۔

یہ پورا بیان آخر میں' ہمیں اس آخری فیصلے تک لاتا ہے:

> جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے' وہ اسے اُس طرح پڑھتے ہیں جیسا کہ پڑھنے کا حق ہے۔ وہ اس (قرآن) پر سچے دل سے ایمان لے آتے ہیں۔ اور جو اس کے ساتھ کفر کا رویہ کریں' وہی اصل میں نقصان اٹھانے والے ہیں۔ (آیت: ۱۲۱)

اُمّت مسلمہ کو پیغمبرانہ مشن سونپنا (آیات: ۱۲۴-۱۵۲)

مسلمانوں کو فریضہ رسالت سُپرد کرنے سے پہلے (آیت ۱۴۳) حضرت ابراہیمؑ کی مقدس تاریخ اور اللہ کی مکمل اور خالص اطاعت میں گزاری ہوئی ان کی خدا پرستانہ زندگی بیان کی گئی (آیات: ۱۲۳-۱۳۳)۔ حضرت ابراہیمؑ کو کعبۃ اللہ کا متولی اور انسانیت کا امام اس لیے مقرر کیا گیا کہ انھیں جس آزمایش سے بھی گزارا گیا وہ اس سے سرخ رُو نکلے۔ ان کو یہ اعزاز وراثت میں نہیں ملے اور نہ کسی کو ملیں گے۔ (آیات: ۱۲۴-۱۲۵)

نئی اُمّت' حضرت ابراہیمؑ کی اس دعا کی تکمیل ہے جو آپ نے بیت اللہ کی تعمیر کرتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوئے کی تھی: اے اللہ! ہماری نسل سے ایک ایسی قوم اٹھا جو تیری مُسلم ہو (آیت: ۱۲۸)۔ مسلمان' حضرت ابراہیمؑ کے ورثے اور مشن کے بھی وارث ہیں' جو توحید اور خدا پرستی کی بہترین روایات کا نمونہ ہے۔ یہ بات زور دے کر کہی گئی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ سے جو وعدہ کیا گیا تھا وہ کوئی ایسا لقب نہیں تھا جو نسل در نسل ورثے میں منتقل ہوتا۔ اسرائیل نے اس ورثے پر اپنے حق کو ساقط کر دیا' اس لیے کہ انھوں نے حضرت ابراہیمؑ کے برخلاف اللہ سے بے وفائی کی' انھیں حضرت یعقوبؑ نے جو مشن اپنے بستر مرگ پر سونپا تھا وہ اسے پورا کرنے میں ناکام رہے۔ (آیت: ۱۳۳)

اس اصول پر بہت زور دیا گیا ہے کہ مذہبی لیبل کسی مصرف کے نہ ہوں گے۔ اصل قدر و قیمت ایمان' اللہ کے آگے اپنے آپ کو ڈال دینے اور صرف اسی سے پُرخلوص وابستگی کی ہوگی۔ ہر قوم کو اس کے ایمان اور اعمال کے مطابق جانچا جائے گا۔ یہ پورا بیان اس ذمہ داری کو بنی اسرائیل سے لے کر اُمت مُسلمہ کو منتقل کرنے کے سیاق کو واضح کرتا ہے۔

نماز کی سمت' یعنی بیت المقدس سے کعبے کی طرف قبلے کی منتقلی (آیات: ۱۴۴-۱۵۰) دراصل اُمت مُسلمہ کی طرف فریضہ رسالتؐ کی منتقلی کی علامت ہے۔ جس طرح بنی اسرائیل کو اللہ کی ہدایت اور کتاب کی نعمت کو اللہ کے خاص عطیے کے طور پر یاد دلایا گیا تھا' اسی طرح اختتام پر مسلمانوں کو بھی یاد دلایا گیا ہے:

تم مجھے یاد رکھو' میں تمھیں یاد رکھوں گا' اور میرا شکر ادا کرو' کفرانِ نعمت نہ کرنا۔ (آیت: ۱۵۲)

دیکھیے' بنی اسرائیل کو اسی طرح کی دعوت دی گئی تھی۔

کلیدی انفرادی خصائص اور دین کے بنیادی اصول (آیات: ۱۵۳-۱۷۷)

۱۵۳ سے ۱۶۲ آیات ان کلیدی انفرادی صفات کی نشان دہی کرتی ہیں جو عہد پورا کرنے کے لیے مطلوب ہیں۔ یہ صرف اس مفہوم میں انفرادی ہیں کہ یہ ایک فرد کے باطنی وجود میں پیدا کی جاسکتی ہیں' لیکن عملاً یہ سب اجتماعی شکل اختیار کرلیتی ہیں اور مؤثر انداز سے اجتماعیت پیدا کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر نماز' جماعت کے ساتھ ہے۔ اسی طرح روزہ' حج اور جہاد۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سب سے اہم صفت یہ ہے کہ آپ کو ہر وقت اللہ تعالیٰ کا شعور رہے، گویا آپ اس کے حاضر و ناظر ہوتے ہوئے زندگی گزارتے ہیں، آپ کو ہر چیز ایسے نظر آتی ہے جیسے اس کی طرف سے ہے اور اس کی وجہ سے ہے۔ آپ کو ہمیشہ یاد رہتا ہے کہ آپ فیصلے کے دن اس سے ملاقات کریں گے۔ مختصراً یہ کہ آپ ہر لمحے اور ہر موقعے پر جتنی کثرت سے اور جتنا زیادہ اسے یاد کر سکتے ہیں، کرتے رہیں۔ یہ بات آیت ۱۵۲ میں وضاحت سے بیان کر دی گئی ہے۔ یہ کیفیت حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے ذکر کو زندگی کا حصہ بنا لینا چاہیے۔ نماز اسی مقصد کے لیے فرض کی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آیت ۱۵۲ کے بعد فوراً ہی یہ ہدایت دی گئی کہ صبر اور نماز سے مدد لو (آیت: ۱۵۳)۔

صبر کا ذکر پہلے کیا گیا ہے۔ یہ اس لیے کہ نماز، انفرادی ہو یا اجتماعی، صبر کے بغیر نہ ادا کی جا سکتی ہے نہ قائم کی جا سکتی ہے۔ یہ نماز ہی ہے جو عزم، استقلال اور تحمل، یعنی صبر کی صفت کو پیدا کرتی ہے، ترقی دیتی ہے، تقویت دیتی ہے اور برقرار رکھتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دونوں ایک منطقی عمل میں باہم مربوط ہیں۔ دونوں (یعنی صبر اور نماز) فرد کو اور جماعت کو اللہ سے قریب تر لاتے ہیں۔ نماز، فرد اور جماعت دونوں ہی کی زندگیوں اور دلوں کو اللہ کے ذکر سے بھر دیتی ہے۔ اللہ ان لوگوں سے قریب ہے جو صبر کی صفت رکھتے ہیں جیسا کہ آیت ۱۵۳ میں وعدہ کیا گیا ہے: اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

دیکھیے کہ ایسی ہی ہدایت بنی اسرائیل کو دی گئی تھی۔ (آیت: ۴۵)

صبر کی اہمیت اس حقیقت کا اظہار ہے کہ عہد پورا کرنے کے لیے قربانیاں مطلوب ہوں گی۔ ان قربانیوں کی کچھ تفصیل دی گئی ہے (آیت: ۱۵۵)۔ آخری قربانی جو مطلوب ہے وہ جان کی قربانی ہے۔

آزمایشوں اور قربانیوں کے موقع پر ثابت قدم رہنے کے لیے صبر کی کلید اللہ کا ذکر ہے: یہ ایمان رکھنا کہ ہم کُل کے کُل اسی سے وابستہ ہیں، اسی کی طرف پلٹ کر جائیں گے اور اُسی کو اپنے اعمال کا حساب دیں گے۔ نماز یہی احساسات پیدا کرتی اور پرورش کرتی ہے۔

صفا اور مروہ کے بارے میں آیت ۱۵۸ غیر متعلق نہیں ہے، اگرچہ کہ ایسا محسوس ضرور ہوتا ہے۔ اسے یہاں اس لیے رکھا گیا ہے کہ کعبے کے قریب دو پہاڑیاں صفا اور مروہ صبر، اُمید اور اللہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تعالیٰ پر اعتماد کی ایک عظیم اور جذبہ انگیز داستان کی علامت ہیں۔ یہ ایک بڑی قربانی کی کہانی بھی ہے' یعنی حضرت ہاجرہ اور اسماعیل کی کہانی۔ جب کوئی ایک پہاڑی سے دوسری پہاڑی کی طرف چلتا ہے تو اسے یاد آتا ہے کہ کس طرح تن تنہا ایک عورت نے ایک شیرخوار بچے کے ساتھ مکہ میں رہنا منظور کیا' کس طرح اس نے اُمید اور اعتماد کے ساتھ کوشش کی' اور کس طرح اللہ نے ایک ایسی وادی میں پانی کا چشمہ جاری کر دیا جہاں پانی کا نام و نشان تک نہ تھا۔

آخر میں قرآن کے ساتھ عہد توڑنے کے سنگین نتائج بتائے گئے ہیں: اللہ کی طرف سے' اس کے فرشتوں کی طرف سے' اور تمام انسانوں کی طرف سے لعنت' اور آخرت میں دائمی عذاب (آیت: ۱۵۹-۱۶۲)۔ یہ کھری کھری تنبیہ پوری بات کو اپنے سیاق میں واضح کر دیتی ہے۔ اُمّت کو جو مشن سونپا گیا ہے اس کو پورا کرنے کے لیے اللہ کا ذکر' نماز' قربانی اور صبر سب ضروری ہیں۔ ہر شخص کو یہ مشن پورا کرنے کی اپنی پوری کوشش کرنی چاہیے۔ (آیات: ۱۶۳-۱۷۷)

آیات ۱۶۳ تا ۱۷۷ میں دین اور شریعت کی اہم بنیادوں کا بیان ہے' یعنی اللہ پر ایمان جو ایک ہے' یعنی توحید۔ اس کے ساتھ ہی کائنات میں اس کی نشانیاں جو یہ ایمان پیدا کرتی اور اسے مضبوط کرتی ہیں (آیات: ۱۶۳-۱۶۴)۔ اللہ تعالیٰ سے مضبوطی سے جڑے رہنا دین اور صراط مستقیم پر رہنمائی کی اصل اور بنیاد (اٰل عمرٰن ۳:۱۰۱)' جہاد کا کلیدی ذریعہ (الحج ۲۲:۷۸)' اور وہ حق ہے جس کی گواہی دینا ہے۔

توحید کے فوراً بعد قرآن' اللہ سے محبت کا ذکر کرتا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ تم اللہ سے اس سے زیادہ محبت کرو جتنا کسی بھی دوسری چیز سے کرتے ہو۔ اس طرح قرآن ذکر اور صبر کے بعد اللہ سے محبت کو سب سے اہم صفت کے طور پر بیان کرتا ہے' اس لیے کہ ایسی محبت ہی ایمان کو حقیقی اور بامعنی بناتی ہے (آیت: ۱۶۵)۔ محبت ہی ایمان کو شخصیت کا حصہ بناتی ہے اور اللہ کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنے کے لیے طاقت فراہم کرتی ہے۔

ایمان کا تقاضا بھی یہی ہے کہ تمام دوسرے رہنماؤں کے بجائے اللہ کے رسولؐ کی پیروی اور اطاعت کی جائے (آیت: ۱۶۶-۱۶۷)۔ محبت بھی یہی تقاضا کرتی ہے کہ ''محبوب'' کے احکام کو بجالایا جائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے بعد شریعت کے کچھ اہم اصول بیان کیے گئے ہیں۔ اوّل: دنیا کی تمام اچھی چیزیں مباح ہیں سوائے ان کے جو منع کی گئی ہیں (آیت:۱۶۸)۔ بنیادی طور پر یہ اہم اصول صرف کھانے پینے کے بارے میں نہیں ہے بلکہ زندگی کے تمام دائروں کی تمام باتوں کے لیے ہے۔ دوم: اشیا کو ممنوع قرار دینے کا اختیار صرف اللہ کے پاس ہے' کسی اور کے پاس نہیں ہے (آیت:۱۶۹)۔ سوم: جو چیزیں ممنوع ہیں انھیں اللہ نے بیان کر دیا ہے' باقی سب جائز ہیں (آیت:۱۷۳)۔ چہارم: سنگین انسانی ضرورت کے موقع پر ممنوعات میں گنجایش دی جاسکتی ہے (آیت: ۱۷۳)۔ پنجم: اخلاقی پابندیاں زیادہ اہم ہیں۔ اگر وہ دوسرے انسانوں سے حقوق سے متعلق ہیں تو ان میں رعایت نہیں۔ مثال کے طور پر عہد توڑنے کا جرم کوئی حرام چیز کے کھانے کے مقابلے میں زیادہ بڑا گناہ ہے۔ (آیت:۱۷۴)

بہرحال زندگی میں ہر طرح کی اطاعت کی بنیاد تقویٰ ہی ہے۔ آیت ۱۷۷ تقویٰ کی جامع تعریف بیان کرتی ہے۔ یہ آیت ۲ تا ۵ کی توسیع ہے اور آنے والے حصے کی تمہید ہے۔ اس لیے تقویٰ' جیسا کہ یہاں تعریف کی گئی ہے' جو کچھ آگے بیان کیا جا رہا ہے اس کی بنیاد اور محرّک ہے۔ یہاں ایمان اور انفاق' یعنی خرچ کرنے کی مزید تفصیل دی گئی ہے۔ وعدوں اور معاہدوں کی پابندی اور ہر طرح کے حالات میں صبر بنیادی صفات ہیں۔

اجتماعی زندگی: اصول اور ادارے (آیات:۱۷۸-۲۴۲)

اجتماعی زندگی' دو وجوہ سے بنیادی اہمیت رکھتی ہے' اوّل: انفرادی صفات کی مضبوطی اور نمو کے لیے مناسب زمین اور ماحول فراہم کرنے کے لیے۔ دوم: اُمّہ کے مشن کو پورا کرنے کے لیے اجتماعی طاقت فراہم کرنے کے لیے۔ قلوب کی طرح' اجتماعی زندگی بھی تقویٰ کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہونی چاہیے۔ اس لیے اس حصے میں قرآن ان قوانین' اصول اور تعلیمات کو بیان کرتا ہے جن سے تقویٰ کو نشوونما ملتی ہے۔

معاشرے میں نظم وضبط اور ہم آہنگی کے لیے جان و مال کا تحفظ جڑواں بنیادیں ہیں۔ آیات ۱۷۸ سے ۱۸۲ تک انھیں بیان کیا گیا ہے۔ ان کے فوراً بعد رمضان میں روزوں کے احکام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیے گئے ہیں تاکہ تقویٰ یا انفرادی ضبطِ نفس حاصل ہو اور اللہ نے 'دوسروں' کے ساتھ انسانی تعلقات کی جو حدود مقرر کی ہیں ان سے آگے بڑھنے' یا ان کو توڑنے سے آدمی اپنے آپ کو روکے (آیات: ۱۸۳-۱۸۷)۔ کھانے پینے اور جنسی تعلقات سے بچنا مقصد نہیں ہے' مقصود وہ باطنی قوت پیدا کرنا ہے جو انسان کو اس قابل بنائے کہ وہ دوسروں کی جان' مال یا آبرو پر ہاتھ نہ ڈالے۔ اسی لیے حکم ہے: ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ۔ (آیت: ۱۸۸)

حج کو جہاد سے جوڑا گیا ہے (آیات: ۱۹۶-۲۱۸)۔ دونوں کی نوعیت ایک ہے۔ دونوں تقاضا کرتے ہیں کہ ہم قربانیاں دیں' اپنے گھر' اعزہ اور چیزوں کو چھوڑیں' منزل تک پہنچنے کے لیے سفر کریں اور اپنا مال و دولت خرچ کریں۔ جہاد پر خرچ کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ معاشرے کی زندگی' توانائی اور بقا کے لیے اور اپنے مشن کی تکمیل کے لیے جہاد کی کلیدی حیثیت ہے۔ اس لیے معاشرے کو تباہی اور زوال سے محفوظ رکھنے کے لیے جہاد پر خرچ کرنا ضروری ہے (آیت: ۱۹۵)۔ یہاں لڑنے کی صرف اجازت دی گئی ہے' جب کہ جہاد کا مقصد آیات ۱۹۰ تا ۱۹۲ میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد حج اور اس کے نمایاں پہلوؤں کے بارے میں اہم ہدایات دی جاتی ہیں۔ (آیات: ۱۹۶-۲۰۳)

اس کے ساتھ ہی جہاد کا مقصد زیادہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ یہ انسانیت کو ان بدعنوان رہنماؤں سے بچانے کے لیے ضروری ہے جنھیں سیاسی طاقت حاصل ہے' جو ہٹ دھرم ہیں اور اپنی اصلاح کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ زمین میں فساد' بدعنوانی اور قتل و غارت پھیلاتے ہیں اور عوام کو پریشانی میں مبتلا کرتے ہیں۔ (آیات: ۲۰۴-۲۰۶)

جہاد کی ضرورت اور نوعیت اور اس کے تقاضے بیان کیے گئے ہیں۔ جہاد کا تقاضا ہے کہ ہم اپنے آپ کو کُل کا کُل اللہ کے آگے پیش کر دیں (آیات: ۲۰۷-۲۰۸)۔ جہاد بڑی سختی سے ہماری جانچ کرے گا اور غیر معمولی قربانیوں کا تقاضا کرے گا۔ قربانیاں دیے بغیر' جیسی کہ اس سے پہلے مسلم اُمتوں نے دیں' ہم ہرگز بھی جنت میں داخل نہیں ہو سکیں گے۔ (آیت: ۲۱۴)

خون بہانا یقیناً ناپسندیدہ ہے' لیکن عقیدے اور ضمیر کے لیے جبر اس سے زیادہ بڑی برائی ہے (آیات: ۲۱۶-۲۱۷)۔ اس کے بعد اس سورت میں شراب اور جوئے کا ذکر ہے (آیت: ۲۱۹)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شراب نوشی سے دنیاوی ذمہ داریوں اور محنت سے فرار کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ جوا لالچ اور بغیر محنت مال حاصل کرنے کی خواہش بڑھاتا ہے۔ دونوں بذات خود برائی ہیں' لیکن انھیں یہاں اس لیے بیان کیا گیا کہ یہ جہاد کے راستے کی رکاوٹ ہیں۔

اس کے بعد کلام کا رخ معاشرے کے مظلوم طبقات' بچوں اور خواتین کی طرف مڑ جاتا ہے۔ عائلی زندگی کے بارے میں تعلیمات اور ضابطے بہت تفصیل سے دیے گئے ہیں (آیات: ۲۲۰-۲۴۲)۔ اس لیے کہ یہ معاشرے اور تمدن کی بنیادی اساس ہے۔ خاندان اجتماعی یک جہتی برقرار رکھتا ہے اور یہ یقینی بناتا ہے کہ مقاصد' اقدار اور روایات ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل ہوں۔ مضبوطی سے جڑی ہوئی ایک منصفانہ عائلی زندگی معاشرے کو جہاد کے لیے تیار ہی نہیں کرتی' جہاد کے مقصد کو بھی پورا کرتی ہے' یعنی افراد کے درمیان انصاف کا قیام۔

جہاد اور انفاق. مشن کی تکمیل کے ذرائع (آیات: ۲۴۳-۲۸۳)

قوموں اور معاشروں کو کیا چیز زندہ' مضبوط اور کامیاب بناتی ہے؟ آخری حصہ اس اہم سوال کے بارے میں تفصیل سے بحث کرتا ہے۔ یہ سوال سورت کے مرکزی موضوع' یعنی اُمت کے مشن کے حوالے سے نہایت اہم ہے۔ آغاز میں' عمومی اصولوں پر بحث کی گئی ہے۔ اوّل' اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ کسی مقصد اور مشن کا ہونا ہی جہاد کی زندگی کا تقاضا کرتا ہے۔ مقصد اور مشن کے لیے جدوجہد اور سرگرم کوشش جہاد ہے۔ جہاد کا تقاضا ہے کہ قربانیاں دی جائیں۔ خاص طور پر مال اور جان اللہ کے راستے میں قربان کیے جائیں۔ یوں جہاد اور انفاق' اُمت کے عروج وزوال اور زندگی اور موت میں کلیدی اور فیصلہ کن کردار ادا کرتے ہیں۔ دونوں کا تقاضا ہے کہ لوگ موت سے بے خوف ہوجائیں۔ حوصلے' صبر اور نظم وضبط سے کام لیں اور دنیوی چیزوں خاص طور پر مال کی محبت پر قابو پائیں۔ ان موضوعات کو آیات ۲۴۳ سے ۲۸۳ تک مسحور کن تصورات اور جذبہ انگیز کلام کے ذریعے سامنے لایا گیا ہے۔

موت کا خوف اور اس دنیا کی چیزوں کی بہت زیادہ محبت کسی معاشرے کی توانائی کو چوس لیتی ہیں اور تباہ کردیتی ہیں۔ اگر لوگ موت سے ڈرتے ہیں تو موت ہی ان کے معاشرے کا مقدر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو جاتی ہے۔ جو موت سے نہیں ڈرتے' زندگی ان کی تقدیر بن جاتی ہے۔ اسی بات کو آیت ۲۴۳ میں بنی اسرائیل کی تاریخ کے واقعے کے حوالے سے واضح کیا گیا ہے۔ قرآن پکارتا ہے: اللہ کی راہ میں جہاد کرو اور جو کچھ دے سکتے ہو' دو۔ اللہ تعالیٰ تمھارے انفاق کو اپنے لیے قرض تصور کرے گا اور کئی گُنا بڑھا کر واپس کرے گا۔ (آیات: ۲۴۴-۲۴۵)

یہ امرِ واقعہ کہ زوال اور بے حسی میں مبتلا معاشرے بھی زندہ ہو سکتے ہیں اور زندہ رکھے جاسکتے ہیں' تین واقعات کی مثالوں سے بتایا گیا ہے:

۱- داوٗد اور جالوت کا واقعہ (آیات: ۲۴۶-۲۵۱)۔ ۲- ایک مردہ بستی کا دوبارہ جی اٹھنا (آیت: ۲۵۹) ۳- اس بارے میں حضرت ابراہیمؑ کی پریشانی کے جواب کا واقعہ۔ (آیت: ۲۶۰)

صبر اور نظم وضبط کے ساتھ (روزے اور جہاد کا جو ذکر پہلے آیا ہے اسے بھی سامنے رکھیے)۔ وہ لوگ جو تعداد میں کم ہوں' اور وسائل اور طاقت بھی کم رکھتے ہوں بہت زیادہ طاقت اور وسائل رکھنے والوں پر فتح حاصل کر سکتے ہیں جس طرح بنی اسرائیل حضرت داوٗدؑ کی قیادت میں جالوت کے خلاف کامیاب ہوئے۔ (آیات: ۲۴۶-۲۵۳)

انفاق' یعنی اپنے اموال' اشیا یا جس چیز کی بھی ضرورت ہو' اللہ کے لیے دے دینے کے مختلف پہلو آیت ۲۶۱ سے ۲۷۴ تک کے طویل حصّے میں بیان کیے گئے ہیں۔ سود کی ممانعت اور مالی معاملات کو تنازعوں سے بچانے کے لیے اقدامات مال و دولت کے بارے میں عمومی رویّے سے متعلق ہیں۔ (آیات: ۲۷۴-۲۸۳)

ان کے درمیان آیت الکرسی رکھی گئی ہے' جیسے جواہر اور موتیوں کے نیکلس کے وسط میں جڑا نگینہ۔ اس آیت میں وہ سب کچھ ہے جو اللہ پر ایمان کی مضبوطی کے لیے ضروری ہے اور جو جہاد اور انفاق دونوں کو طاقت بخشتی ہے۔ آپ کو نہ اپنے دشمنوں کی طاقت اور دولت سے خوف کھانے کی ضرورت ہے اور نہ زندگی کھونے یا غریب ہونے سے ڈرنے کی' اس لیے کہ اللہ حیّ و قیوم ہے' ہمیشہ رہنے والا ہے' ہر زندگی کا سرچشمہ ہے' خود قائم ہے اور سب کو قائم رکھنے والا ہے۔ اس کا علم اور طاقت زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے اس پر محیط ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

AzAd +92(42) 7563344

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

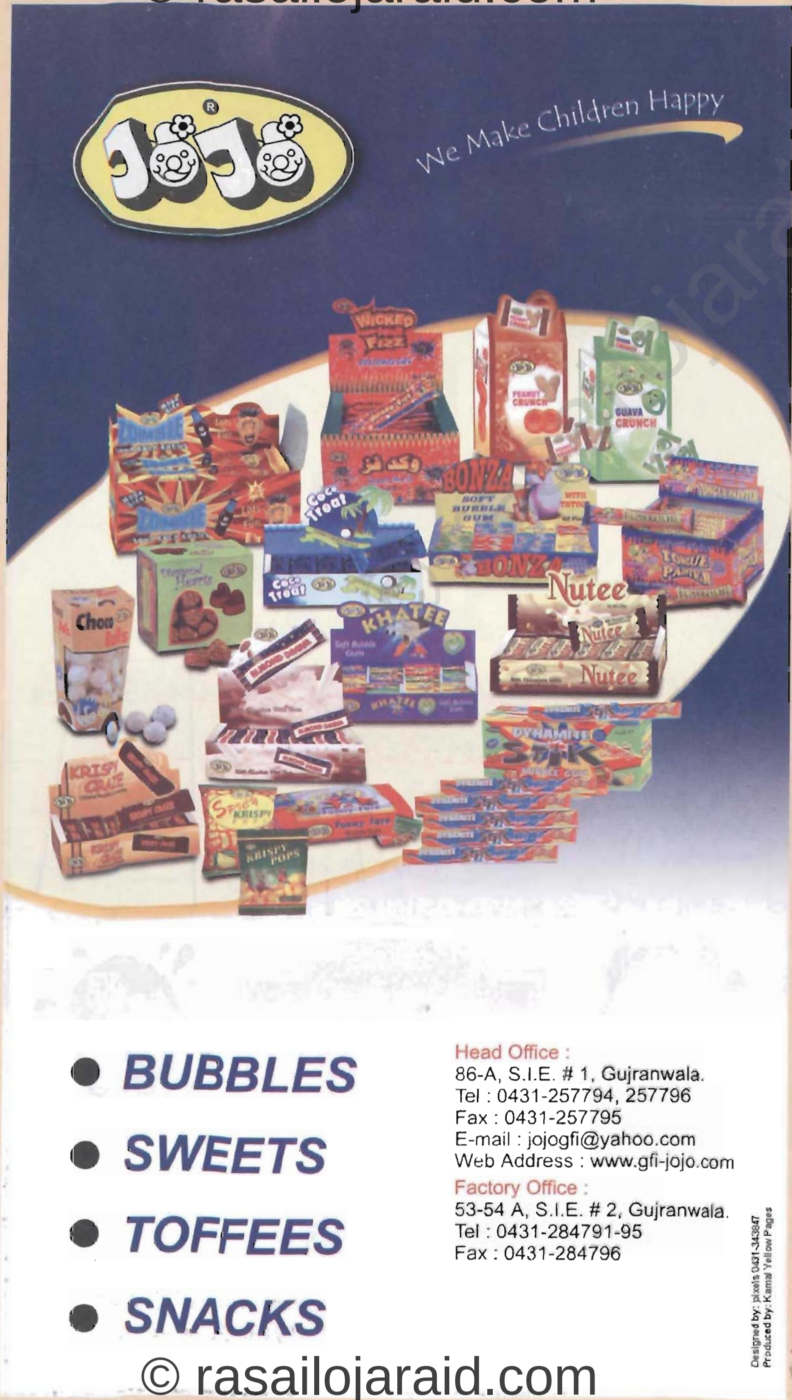

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com